

جذبہ

05-12-2017



فہرست

انٹریمنٹ

۱. اعتراف
۲. انگلش و نگلش
۳. تین دوست
۶. ماحولیاتی آلودگی کا شکار بچے

مشہور شخصیات

۷. پولیٹھین بیگز ، ایک خاموش قاتل

معاشرہ اور ثقافت

۱۰. آخری گولی
۱۲. لاہور ایک قدیم شہر

اعتراف

مصنف: حاجی بصیر سراج

اسکول میں ہر طرف خوشی کا سماں تھا آج سکول نویں اور دسویں کلاس کے درمیان میچ ہونا تھا پورے سکول کے بچوں کی زبان پر طلحہ کا نام تھا کیونکہ جب سے طلحہ اس سکول میں آیا تھا وہی ہر بار میچ جیت رہا تھا۔ میچ سے پہلے طلحہ اور حامد کا جب آمنہ سامنا ہوا تو طلحہ نے مسکراتے ہوئے حامد کو دیکھ کر کہا ہارنے کے لیے تیار رہو۔ حامد نے بس خاموشی سے دکھا اور کہا ہار جیت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر کچھ دیر بعد سکول کے گراؤنڈ میں یکا یک سب لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ استاذہ صاحبہ کے آتے ہی کھیل شروع ہو گیا۔ طلحہ اور حامد کے مابین مقابلہ عروج پر تھا۔ آخر کھیل تقریباً دو گھنٹے تک چلتا ہوا آخری مرحلے میں پہنچ گیا۔ پانچ اسکور اور دو گیند کی دوری پر حامد کی ٹیم جیت کی دوری پر تھی۔ گراؤنڈ میں حامد کے نام کی پکاریں اس کی ہمت بڑھا رہی تھی۔ طلحہ کے ماتھے پر پینے کے قطرے نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے ہمیشہ سے جیت کا تقہ اپنے سر سجانے والے طلحہ سے شکست ہوتی برداشت نہ ہو رہی تھی اس کے ذہن میں کھیل شروع ہونے سے پہلے حامد کے کہے ہوئے الفاظ مسلسل گونجنے لگ گئے تھے کہ۔ ”ہار جیت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے“ وہ اسی سوچ میں گم تھا جب سکول کے گراؤنڈ میں شور برپا ہو گیا۔

اس نے دیکھا کہ سب لوگ حامد کو مبارک بلا پیش کر رہے ہیں اس کے والدین بھی حامد کو گلے لگاتے ہوئے دعائیں دیں رہے ہیں۔ اس کو اب اپنے والدین پر غصہ آنے لگا گیا وہ وہاں غصے سے اپنی کلاس کے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اور ہارنے کی شرمندگی سے رونے لگ گیا۔ اسی وقت اس کے ماں باپ وہاں آگئے اور طلحہ کو سمجھنے لگ گئے کہ تمہارے مخالفوں کو تمہاری وجہ سے دفاعی لائن میں ایک زبردست شکاف مل گیا ہے اور وہ شکاف تم ہی ہو۔

زندگی کی سب سے بڑی حقیقت اعتراف ہے۔ ایمان ایک اعتراف ہے۔ کیونکہ ایمان لا کر آدمی اپنے مقابلہ میں خدا کی بڑائی کا اقرار کرتا ہے۔ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی اعتراف ہے۔ کیونکہ ان پر عمل کر کے ایک شخص بین انسانی ذمہ داریوں کا اقرار کرتا ہے۔

بیاتم کو حامد کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے اور اس کو اس کی جیت پر مبارک آباد دینی چاہیے۔ اعتراف کرنا چاہیے کہ اس نے کھیل اچھا کھیلا ہے۔ اور یہی اعتراف تمہاری جیت ہوگی۔ اصل خوشی دوسروں کی خوشی میں خوش ہونا ہے۔

حامد نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور چلتا ہوا گراؤنڈ میں بنے میچ پر چڑھتا ہوا حامد کے سامنے جا کھڑا ہوا جہاں پر سب استاذہ اکرام حامد کے ساتھ ساتھ اس کا بھی نام لے کر بلا رہے تھے۔ سب سے پہلے اس نے حامد کو مبارک بلا پیش کی۔ پھر مائیک پکڑے حامد کے ساتھ جا کھڑا ہوا وہاں موجود سب لوگ خاموشی سے اسے سننے لگا۔

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ پچھلے سالوں سے میں ہی سکول میں جیتتا آ رہا ہوں اور اس بار یہ بازی حامد لے گیا ہے میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ حامد نے اس بار مجھے سے زیادہ اچھا کرکٹ کھیلا ہے اس بار حامد اس کھیل کا ”چیمپئن“ ہے۔

میں نے آج سیکھا ہے کہ اعتراف تمام ترقیوں کا دروازہ ہے۔ مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اعتراف کے لیے آمادہ کر سکے۔ جب بھی ایسا کوئی موقع آتا ہے تو آدمی اس کو اپنی عزت کا سوال بنا لیتا ہے۔ وہ اپنی غلطی ماننے کے بجائے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خرابی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ جاتا ہے کہ جس غلطی کا صرف زبانی اقرار کر لینے سے کام بن رہا تھا اس غلطی کا اسے اپنی برہادی کی قیمت پر اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اور میں برہادی کی کسی قیمتی پر آکر اعتراف نہیں کرنا چاہتا ہوں۔

بے شک ہار جیت اللہ کے ہاتھ میں ہے اس نے یہ جملہ بولتے ہوئے حامد کی طرف دیکھا اور اسی وقت حامد نے طلحہ کی طرف دیکھا تو وہ دونوں مسکراتے ہوئے طلحہ نے کہا کہ آخری بات جو میں آپ سب کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے میں اپنے استاذہ اپنے ماں باپ اور حامد کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اپنے علم و حکمت سے سمجھا کر بتایا کہ غرور و تکبر اور اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے یا ہارنے پر حسد کرنے کی بجائے دوسروں کی خوشی میں خوش ہو کر اپنی ہار کو جیت بنا کر خوش رہنا چاہیے شکریہ۔

پورے حال میں تالیوں کی گونج گھوم رہی تھی طلحہ پر سکون ہو کر اپنی ناکامی کو بھول کر دوبارہ سے کامیابی حاصل کرنے کی کوشش میں لگن ہو گیا۔ طلحہ کا یہی اعتراف اس کی جیت بن گیا تھا۔

مصنف: حاجی بصیر سراج

مجھے بچپن سے ہی انگریزی میں فیل ہونے کا شوق تھا لہذا میں نے ہر کلاس میں اپنے شوق کا خاص خیال رکھا۔ ویسے تو مجھے انگریزی کوئی خاص مشکل زبان نہیں لگتی تھی، بس ذرا سپیٹنگ ، گرامر اور Tenses نہیں آتے تھے۔ مجھے یاد ہے جو ٹیچر ہمیں کلاس میں انگریزی پڑھایا کرتے تھے وہ بھی کاٹھے انگریز ہی تھے، دو سال تک ”سی--- یو --- پی---“ ”سپ“ پڑھاتے رہے، مشین کو ”مچین“ اور نالج کو ”کنالجز“ کہتے رہے۔ ایسی تعلیم کے بعد میری انگریزی میں اور بھی کھار آ گیا، مجھے یاد ہے میٹرک کے داخلہ فارم میں جب ایک کالم میں ”Sex“ لکھا ہوا تھا تو میں کافی دیر تک شرماۓ ہوئے سوچتا رہا کہ ایک لائن میں اتنی لمبی تفصیل کیسے لکھوں؟؟؟ فارم کے پہلے کالم میں اپنا نام انگریزی میں لکھنا تھا لیکن انگریزی سے نااہل ہونے کی وجہ سے مجھے یہ نام لکھنے کے لیے اسلام آباد کا سفر کرنا پڑا کیونکہ فارم پر لکھا ہوا تھا ”Fill in capital“، انگریزی فلمیں دیکھتے ہوئے بھی مجھے کہانی تو سمجھ آ جاتی تھی، سٹوری پلے نہیں پڑتی تھی۔ سکس ملین ڈالر مین ، ناش رائڈرز، چیس، ایر وولف اور کوچبک جیسی مشہور زمانہ فلمیں میں نے صرف اور صرف اپنی ذہانت سے سمجھیں اور انجوائے کیں۔



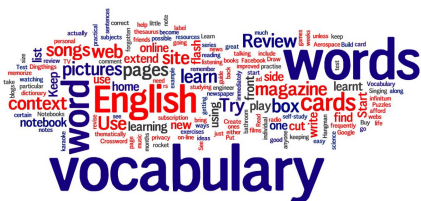
آج سے کچھ سال پہلے تک مجھے یقین ہو چکا تھا کہ میں فارسی، عربی، پشتو اور اشاروں کی زبان تو سیکھ سکتا ہوں لیکن انگریزی نہیں، لیکن اب جو حالات چل رہے ہیں اُن کو مد نظر رکھ کر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یا تو مجھے انگریزی آگئی ہے، یا سب کو بھول گئی ہے۔ کچھ بھی ہو، میری خوشی کی انتہا نہیں، اب سارے سیپلنگ بول گئے ہیں اور دو تین لفظوں میں ساگئے ہیں۔ اب Coming لکھنا ہو تو صرف cmg سے کام چل جاتا ہے۔ گرل فرینڈ GF ہوگئی ہے اور فیس بک FB بن گئی ہے۔ اب کوئی انگریزی کا لمبا لفظ لکھنا ہو تو اُس سے پہلے کے چند الفاظ لکھ کر ہی ساری بات کہی جاسکتی ہے، میں نے ساڑھے تین سال کی ”میوشن با مشقت“ کے بعد unfortunately کے سیپلنگ یاد کیے تھے، آج کل صرف Unfort سے کام چل جاتا ہے یعنی جہاں سے مشکل سیپلنگ شروع وہیں پہ ختم۔ بات یہاں تک رہتی تو تھک تھا لیکن اب تو

اس مختصر انگریزی میں بھی ایسی ایسی مشکلات آن پڑی ہیں کہ کئی دفعہ جملہ سمجھنے کے لیے استعارہ کرنا پڑتا ہے۔ ابھی کل مجھے ایک دوست کامیج آیا، لکھا تھا “U r inv in bk crmy” میں نے حیرت سے میج کو پڑھا، اللہ جانتا ہے تین چار دفعہ مجھے شک گذرا کہ اُس نے مجھے کوئی گندی سی گالی لکھی ہے، دل مطمئن نہ ہوا تو اُسی ہی انگلش لکھنے اور سمجھنے کے ماہر ایک اور دوست سے رابطہ کیا، اُس مرد مجاہد نے ایک سیکنڈ میں ٹرانسلیشن کردی کہ لکھا ہے “You are invited in book’s ceremony!!!”

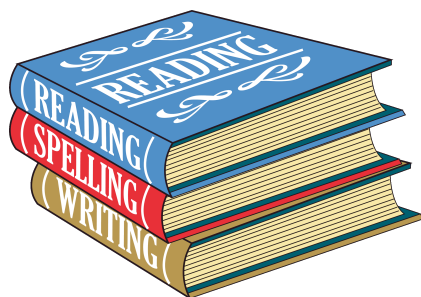
انگریزی سے نمٹنے کا ایک اور اچھا طریقہ میرے ہمسائے شاکر صاحب نے نکالا ہے، جہاں جہاں انہیں انگریزی نہیں آتی وہاں وہ اطمینان سے اُردو ڈال لیتے ہیں۔ مثلاً اگر کھانا کھاتے ہوئے انہیں کسی کا میج آجائے تو جواب میں لکھ بھیجتے ہیں ”پلیز اس ٹائم نانٹ ڈسٹرب، آئی ایم کھانا کھانینگ“۔ ایک دفعہ موصوف کو فیس بک پر ایک لڑکی پسند آگئی، فوراً لکھا ”ہی وائٹ ٹو شادی ود یو۔۔۔ آر یو راضی؟“۔ لڑکی کا جواب آیا ”ہاں آئی ایم راضی، بٹ پہلے ٹرائی ٹو راضی میرا بیو تے بے بے“۔ آج کل یہ دونوں میاں بیوی ہیں اور اکثر اسی انگریزی میں لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، تاہم اب وہ درمیان میں اُردو کی بجائے پنجابی بولتے ہیں اور ایک جملہ بار باددہراتے ہیں ”آئی سیڈ کھسانوں کھا، یور سارا خاندان از چول۔“

انگریزی کے بدلتے ہوئے رنگ صرف یہیں تک محدود نہیں، اب تو کوئی صحیح انگلش میں جملہ لکھ جائے تو اس کی ذہنی حالت پر شک ہونے لگتا ہے، ماڈرن ہونے کے لیے انگریزی کا بیڑا غرق کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے، میں تو کہتا ہوں انگریزی کی صرف ٹانگ ہی نہیں، دانت بھی توڑ دینے چاہئیں، اس بدبخت نے ساری زندگی ہمیں خون کے آنسو رلایا ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اب انگریزی لکھنے کے لیے گرامر اور Tenses بھی غیر ضروری ہو گئے ہیں۔ یعنی اگر کسی کو کہنا ہو کہ ”میں تمہارا منتظر ہوں، تم کب تک آؤ گے؟“ تو بڑی آسانی سے اسے چیکوں میں یوں لکھا جاسکتا ہے m wtg !!!...?u cm whn

دنیا مختصر سے مختصر ہوتی جا رہی ہے، کمپیوٹر ڈیسک ٹاپ سے لپ ٹاپ اور اب آئی پیڈ میں سچا ہے، موٹے موٹے ٹی وی اب سمارٹ ایل سی ڈی کی شکل میں آگئے ہیں، ونڈو اسے سی کی جگہ سپلائی اسے سی نے لی ہے، انٹرنیٹ ایک چھوٹی سی USB میں سمٹ چکا ہے



ایسے میں انگریزی کو سب کے لیے قابل قبول بنانے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اردو کا حل تو ”رومن اردو“ کی شکل میں بہت پہلے نکل آیا تھا، اب انگریزی کی مشکل بھی حل ہو گئی ہے۔ اب جو جتنی غلط انگریزی لکھتا ہے اتنا ہی عالم فاضل خیال کیا جاتا ہے، اگر آپ کو کسی دوست کی طرف سے میج آئے اور اُس میں That کی بجائے Dat لکھا ہو تو بیہودہ سا قہقہہ لگانے کی بجائے ایک لمحے میں سمجھ جائیں کہ آپ کا دوست ایک ذہین اور دنیا دار شخص ہے جو جدید انگریزی کے تمام تر لوازمات سے واقف ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید انگریزی میں اردو اور پنجابی کا تزکا ہمارے ہاں ہی لگایا جاتا ہے لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا، سعودیہ میں مقیم میرا بھانجا بتا رہا تھا کہ یہاں کے عربی بھی انگریزی کا شوق پورا کر رہے ہوں تو جہاں جہاں انگریزی آنکھیں دکھاتی ہے وہاں یہ عربی کا لفظ ڈال لیتے ہیں، مثلاً اگر انگریزی میں کہنا ہو کہ یہ میرا گھر ہے تو بڑے آرام سے کہہ جاتے ہیں ”ہذا مائی ہوم“۔



انگریزی اتنی آسان ہو گئی ہے لیکن بڑے دکھ کے ساتھ بتانا پڑ رہا ہے کہ یہ آسان انگریزی صرف ہماری عام زندگیوں میں ہی قابل قبول ہے، انگریزی کا مضمون پاس کرنے کے لیے تاحال اسی جتنا انگریزی کی ضرورت ہے جو خود انگریزوں کو بھی نہیں آتی۔ پتا نہیں آج کل کی رنگ بدلتی انگریزی میں اب پرانی انگریزی کی کیا ضرورت رہ گئی ہے؟ پہلے کبھی لگتا تھا کہ ساری دنیا میں انگریزی کی اشد ضرورت ہے، دنیا سے رابطے کے لیے انگریزی بولنا اور لکھنا بہت ضروری ہے، لیکن اب تو لگتا ہے عالمی رابطے کے لیے کوئی نئی زبان ہی وجود میں آ رہی ہے، یہ زبان کسی نے نہیں بنائی، نہ اس کے کوئی قواعد ہیں، بس یہ خود بخود بن گئی ہے اور لگ رہا ہے کہ کچھ عرصے تک باقاعدہ ایک شکل اختیار کر جائے گی، یہ زبان سب سمجھ سکتے ہیں، لکھ سکتے ہیں لیکن شاید بول کبھی نہیں سکیں گے کیونکہ ~

”شارٹ پیئر“ کی وہ قسم ہے جو کسی کالج یا انسٹی ٹیوٹ میں نہیں پڑھائی جاتی۔ اس زبان میں خوبیاں تو بہت ہیں لیکن ایک کی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی، یہ جذبات سے عاری زبان ہے، یہ چند لفظوں میں دو ٹوک بات کرنے کی عادی ہے، اس زبان میں کسی کی موت پر v sad لکھ دینا ہی کافی سمجھا جاتا ہے، یہ محبتوں اور احساسات سے محروم زبان ہے۔ میں یہ زبان کچھ کچھ سیکھ چکا ہوں، لیکن استعمال کرنے سے گھبراتا ہوں، پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے اگر میں نے بھی یہ زبان شروع کر دی تو مجھ میں اور روبوٹ میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔

§§§

میں آتا مجھے نہیں گرا سکتے تھے۔“

”میں بے کار میں نہیں ڈر رہا ہوں۔ بل کہ صحیح معنوں میں ڈر رہا ہوں۔“ چھدکو نے کہا اور پھر سرگوشی کے انداز میں چپیں چو کو بولنے لگا کہ: ”میں تو کہوں گا کہ اب تم بھی اُس کے ساتھ کھیلتا چھوڑ دو۔ نہیں تو وہ کسی دن تمہیں بھی ضرور دھوکا دے گا۔ اور تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھاجائے گا یا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“

”یہ سب سراسر غلط ہے۔“ چپیں چو بولی۔

”غلط بات نہیں ہے۔“ چھدکو نے بات کاٹی اور آگے بولا: ”کیا بلی اور کتے کی کبھی دوستی رہ سکتی ہے۔ بلی کتے کو دیکھ کر ہمیشہ ڈرتی رہی ہے۔ کوئی وجہ ہوگی تب ہی تو بلی کتے سے ڈرتی ہے۔ میں نے تمہاری بھلائی کے لیے یہ نصیحت کی ہے اب تمہاری مرضی تمہیں اس کے ساتھ کھیلتا ہے کیلو یا مت کیلو۔ لیکن یاد رکھنا وہ ضرور کسی دن تمہیں دھوکا دے گا۔“ چھدکو نے پھر سے یہ بات دہرائی کہ: ”وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھاجائے گا یا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“



”یہ بات تو ٹھیک ہے کہ بلی اور کتے کی کبھی نہیں نصیحتی لیکن یہ سب کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست ہیں۔“ چپیں چو نے چھدکو سے کہا۔

”اچھا! دوسری مثال بھی سنو۔“ چھدکو بولا: ”شیر اور ہرن میں کبھی دوستی نہیں سنی گئی۔ جب بھی شیر ہرن کو دیکھتا ہے، وہ اس کو مارنے دوڑتا ہے۔ اگر پکڑ لیتا ہے تو وہ ہرن کو مار ہی ڈالتا ہے۔ اس لیے شیر ہرن کو دیکھ کر بھاگتی ہے۔ اسی طرح بلی اور کتے کا معاملہ ہے۔“

”میں تمہاری اس بات سے اختلاف نہیں کرتی۔“ چپیں چو نے کہا اور بولی: ”بل کہ میں ایک مثال اور دیتی ہوں، وہ بھی کسی دوسرے کی نہیں خود اپنی یعنی بلی اور چوہے کی۔ بلی چوہے کی دشمن ہے، وہ جہاں کہیں چوہے کو دیکھتی ہے اس کو مار ڈالتی ہے۔ لیکن کہیں بلی اور چوہے کی دوستی ہوئی ہے؟ میری اور تو تو کی دوستی کی بات الگ ہے۔“

تو تو کچھ نہیں بولا اور ہنستا رہا۔

اس کے بعد تو تو کہیں سے گیند اٹھا لایا۔ دونوں کچھ دیر گیند سے کھیلتے رہے۔

شام ہو رہی تھی۔ تو تو بولا: ”چپیں چو! اب میں گھر جاؤں گا۔ آج تو کھیلتے کھیلتے تھک گیا ہوں۔ ماں انتظار کر رہی ہوگی۔ آج وہ کچھ دیر بعد مجھے کہیں گھمانے لے جائیں گی۔“

”تو جلدی جاؤ!“ چپیں چو بولی۔ ”میں بھی تھک گئی ہوں۔ لیکن کل مجھے ضرور بتانا کہ تم کہاں گھومنے گئے تھے۔“ وہ پھر بولی۔ ”کل میری ماں مجھے کچھ نئی چیز کھانے کو دینے والی ہیں مگر مجھے بتایا نہیں ہے۔ دیکھیں کیا دیتی ہیں؟“

تو تو اپنے گھر چل دیا اور چپیں چو اپنے گھر۔ دونوں کو الگ الگ سمت جانا تھا۔

جب چپیں چو اپنے گھر جارہی تھی۔ راستے میں چھدکو بندر ملا۔ وہ درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا تھا۔ چپیں چو کو دیکھتے ہی شاخ پر سے بولا: ”کھو کھو... کھو کھو۔“

چپیں چو سمجھ گئی کہ یہ چھدکو بندر ہے۔

”ارے بھئی! کیا حال ہے؟ نیچے تو آؤ۔“ چپیں چو بولی۔ ”کچھ کہنا ہے کیا؟“

”کہنا تو ہے لیکن نہیں کہوں گا۔ آج کل تو تم تو تو کے ساتھ زیادہ کھیلتی ہو۔ میں تو درخت کی شاخ پر اکیلا بیٹھا رہتا ہوں، تم کو تو میرا خیال ہی نہیں رہتا۔“ چھدکو نے شکایت کی۔

”تو تم بھی کھیلا کرو ہمارے ساتھ، بڑے برگد کے پاس آجایا کرو۔ وہیں تو تو آتا ہے ہم تینوں مل جل کر کھیلا کریں گے۔“ چپیں چو نے دوستانہ انداز میں کہا۔

”ہااا... ہااا... ہااا...“ چھدکو زور سے ہنسا اور کہنے لگا: ”میں تو۔ تو تو کے ساتھ نہیں کھیلوں گا۔ نہ جانے کب وہ مجھے کاٹ لے؟ جب وہ بھوکتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے بالوں گرج رہا ہو۔ مجھے تو اُس سے بہت ڈر لگتا ہے۔“

”تم بے کار میں تو تو سے ڈر رہے ہو۔“ چپیں چو بولی۔

تین دوست

مصنف: حاجی بصیر سراج

چپیں چو بلی اور تو تو کتا مل کر کھیل رہے تھے۔ چپیں چو نے تو تو کو دھکا مارا۔ تو تو گر پڑا۔ چپیں چو تالی بجانے لگی۔ ”گرا دیا، ... گرا دیا...“



تو تو اٹھ گیا۔ اس پر تھوڑی مٹی لگ گئی تھی۔ اس نے مٹی جھاڑی اور چپیں چو سے بولا: ”میں گراؤں تو کہنا مت کہ گرا دیا۔“ ایسا دھکا ماروں گا کہ تم لڑھکتی چلی جاؤ گی۔“

”تم گرا ہی نہیں سکتے۔“ چپیں چو ہنسنے لگی۔

”اچھا!.....“ ”ہاں!“

”تو تیار ہو جاؤ۔“..... چپیں چو پہنچے گڑا کر کھڑی ہو گئی۔

تو تو جانتا تھا کہ چپیں چو پہنچے گڑا کر کھڑی ہو جائے گی اور وہ اسے گرانہیں پائے گا۔ پھر بھی وہ اس کے پاس آیا اور دھکا مارا۔ چپیں چو ذرا سی ڈمگ کر رہ گئی۔

تم میں تو بہت طاقت ہے۔ میں سچ سچ تم کو نہیں گرا پایا۔“ تو تو بولا۔

”میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔“ اتنا کہہ کر چپیں چو آرام سے کھڑی ہو گئی۔ تو تو ہوشیاری سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا سا پیچھے ہٹا اور تیزی سے آکر ایک دھکا مارا۔ چپیں چو زور سے لڑھک کر زمین پر گر گئی۔ اب تالی بجانے کی جاری تو تو کی تھی وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

چپیں چو اور تو تو دونوں بہت کھلڑے تھے وہ دونوں اس وقت مذاق ہی تو کر رہے تھے۔ چپیں چو کھڑی ہو گئی۔ اس نے بھی اپنے جسم پر لگی دھول مٹی جھاڑی اور بولی: ”ایسا دھکا دینے سے کیا ہوتا ہے؟ ذرا پہلے ہی بول کر دیتے تو سمجھ

اب بھدکو خود ہی بولا: ”میں نے ایک دن چیں چو سے کہا تھا کہ تو تو تمہیں کسی دن دھوکا دے گا، اُس کا ساتھ چھوڑ دو۔“

تو تو ہنسا: ”بس اتنی سی بات، اس کے لیے معافی مت مانگو۔ تمہارے دل میں شک تھا سو وہ آج دور ہو گیا۔ ہم تینوں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“

تو تو کتنے نے نے بھدکو بندر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بھدکو بندر کا ہاتھ چیں چو بلی نے پکڑ لیا اور تینوں کہتے جارہے تھے ہم تینوں دوست ہیں۔

§§§

دوسرے لڑکے نے کہا۔ اُن لڑکوں کی باتیں چیں چو نے بھی سنا اور تو تو نے بھی۔ تو تو بولا: ”چیں چو! تم نہیں رہو۔ میں ان لڑکوں کے ساتھ ساتھ جاتا ہوں۔ یہ جیسے ہی غلیل چلانے جائیں گے۔ میں اتنی زور سے بھونکوں گا کہ یہ ڈر کر بھاگ جائیں گے۔ اپنی بھون بھون سے میں انہیں ایسا ڈراؤں گا کہ پھر کبھی بھی وہ اوھر آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔“

”ٹھیک ہے، لیکن میں بھی اتنی ہوں۔ تم جا کر اُن لڑکوں کو ڈراؤ۔“ چیں چو نے کہا۔

لڑکے جلدی سے درخت کے پاس پہنچے۔ ایک لڑکے نے کہا: ”دیکھو میرا نشانہ کتنا صحیح ہے میں غلیل چلاؤں گا تو میرا ڈھیلا سیدھا بندر کے سر پر لگے گا۔“

تو تو کے قریب آکر چیں چو بھی کھڑی ہو گئی۔ بھدکو بندر درخت پر سے دیکھ رہا تھا کہ ایک لڑکا اس کو غلیل مارنے والا ہے۔ اُس نے سوچ لیا کہ جیسے ہی وہ لڑکا غلیل چلائے گا وہ چھلانگ لگا کر دوسری شاخ پر چلا جائے گا۔

لڑکے نے جیسے ہی غلیل سے نشانہ لگایا۔ تو تو نے ایسی زور سے بھون بھون بھونکا کہ وہ بُری طرح ڈر گئے اور غلیل وہیں پھینک کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ بھدکو نے دیکھا کہ لڑکے ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے اور اس نے یہ بھی دیکھا کہ ان کو تو تو نے ڈرا کر بھگایا ہے۔

اب بھدکو بڑا شرمندہ ہوا۔ کہیں ڈھیلا اسے لگ جاتا تو؟ تو تو نے شرارتی لڑکوں کو بھگا کر اُس پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

بھدکو شاخ سے کود کر نیچے آیا اور تو تو سے بولا: ”بھیا! مجھے معاف کر دینا۔“

”کس بات کے لیے؟“ تو تو نے انہماں بن کر پوچھا۔ ”کیا چیں چو دیدی نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟“ بھدکو نے کہا۔

”نہیں مجھے تو کچھ نہیں معلوم۔“ تو تو بولا اور چیں چو سے پوچھا: ”کیا بات ہے چیں چو؟“

”کچھ نہیں کوئی بات نہیں ہے۔“ چیں چو بولی۔ وہ تو تو کو کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ کہیں بھدکو اور تو تو میں دراڑ پڑ جائے۔

”میں نے جو سمجھا وہ تمہیں بتا دیا۔“ بھدکو بولا۔ ”تم میری اچھی دوست ہو۔ اس لیے تم کو بتا دیا، نصیحت کر دی، اب تمہاری مرضی تم میری بات مانو یا نہ مانو، لیکن یاد رکھنا وہ ضرور کسی دن تمہیں دھوکا دے گا۔“ بھدکو نے پر سے یہ بات دہرائی کہ: ”وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھاجائے گا یا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“

چیں چو کو بھدکو کی یہ باتیں اچھی نہیں لگیں۔ یہ تو کسی کی برائی بیان کرنا ہوا، غیبت کرنا ہوا۔ برائی اور غیبت تو دشمن کی بھی نہیں کرنی چاہیے۔ غیبت کرنا یا کسی کی دوستی کو توڑنا یا کسی میں جھگڑا لگوانا اچھی بات نہیں ہے بل کہ یہ تو سب سے بڑا دھوکا ہے۔ اُس نے یہ باتیں بھدکو سے نہ کہی بل کہ من ہی من میں سوچتے ہوئے چپ چاپ اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔



چیں چو اور تو تو ہمیشہ کی طرح کھیلتے رہے، ہنستے بولتے، گاتے رہے۔ چیں چو روز بھدکو کو کھیلنے کے لیے بلاتی رہی لیکن وہ بار بار بلانے کے باوجود بھی کبھی ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے نہیں آیا۔ وہ یہی کہتا رہا کہ تو تو اُسے کاٹ لے گا، وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ بل کہ وہ چیں چو سے اکثر کہتا کہ: ”وہ کسی دن تمہیں دھوکا دے سکتا ہے وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھاجائے گا یا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“

وقت گذرتا رہا کہ ایک دن جھاڑی کے قریب سے چند لڑکے جارہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں غلیلیں تھیں، وہ صورت شکل سے ہی بڑے شرارتی لگ رہے تھے۔ چیں چو اور تو تو جہاں کھیل رہے تھے وہ لڑکے وہیں سے گذرے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا: ”میرا نشانہ ایسا پکا ہے کہ جس کو غلیل ماروں وہ بچ ہی نہیں سکتا۔ میں اڑتے ہوئے پرندے کا بھی نشانہ لگا سکتا ہوں۔“

”تو چلیں بندر کو غلیل ماریں۔“ ایک لڑکے نے کہا۔ ”وہ دیکھو! بندر شاخ پر بیٹھا ہے۔“

”ہاں دیکھیں! کس کا نشانہ صحیح بیٹھا ہے؟“ ایک

ماحولیاتی آلودگی کا شکار بچے

مصنف: حاجی بصیر سراج



۵۷۰۰۰۰ پانچ لاکھ ستر ہزار بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہیں ہر سال سانس کی بیماریوں کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں جو کہ فضائی آلودگی اور سگریٹ کے دھوئیں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

۳۶۱۰۰۰ تین لاکھ اسی ہزار بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہیں صاف پانی تک عدم رسائی، سینی ٹیشن کے نظام کی خرابی اور حفظان صحت کے اصولوں پہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہیضہ کا شکار ہوتے ہیں جس کی وجہ ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔

۲۷۰۰۰ دو لاکھ ستر ہزار وہ بچے ہیں جو اپنی عمر کے لپٹرائی مہینہ میں حفظان صحت کے فقدان، گندے پانی اور فضائی آلودگی کی بدولت اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ مٹھتے ہیں۔

۲۰۰۰۰۰ دو لاکھ بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہے لیبریا کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں ان کی زندگی کو بچایا جا سکتا ہے اگر ماحول کی صفائی کی جائے اور پھجروں کا تدارک کیا جائے۔

۲۰۰۰۰۰ دو لاکھ بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہیں، وہ انہماک میں زخمی ہوتے ہیں مثلاً زہر خورانی، گرنا اور پانی میں ڈوبنا وغیرہ۔

اوپر دیئے گئے اعداد و شمار اگرچہ کہ پوری دنیا سے لئے گئے لیکن اس تناظر میں آج ہم اپنے حالات کا جائزہ لے سکتے ہیں، کہ ہم ماحولیاتی آلودگی کے حوالے سے کس قدر احتیاط برت رہے ہیں، فضائی آلودگی کے حوالے سے عالمی رپورٹیں ہمارے ملک کے بڑے شہروں کے بارے جاری ہوتی رہتی ہیں کہ کس قدر آلودگی بڑھ رہی ہے، ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق کراچی کی فضا میں آلودگی کی تہہ کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے، اس کے علاوہ کراچی ہی کی میڈیا رپورٹس موجود ہیں کہ اکثریتی آبادی آلودہ پانی پینے پہ مجبور ہے۔ یہ صورتحال پاکستان کے تمام بڑے اور چھوٹے شہروں کی ہے، بڑی بڑی آبپاشیاں گٹر وں سے آلودہ پانی پیتی ہیں، فضائی آلودگی کا حال یہ ہے کہ نہ ٹریفک کا نظام فعال ہے جو کہ دھواں چھوڑنے والی گاڑیوں کا تدارک کرے اور نہ ہی فیکٹریوں اور ملوں کے دھوئیں اور دیگر ویسٹ کو مناسب طریقے سے ٹھکانے لگانے کا کوئی عملی اور فعال نظام موجود ہے، اور مزید یہ کہ سب سے بری حالت سالڈ ویسٹ کے نظام کی ہے یا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ملک کے کسی بھی حصے میں قابل ستائش سالڈ ویسٹ سسٹم موجود نہیں ہے اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہسپتال سانس، معدے، کینسر، گردے، دل کی بیماریوں کے مریضوں سے اٹے پڑے ہیں۔ اور خاص طور پہ بچوں کی اموات ہو رہی ہیں۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ حکومتی سطح پہ ہنگامی فیبادوں پہ کام ہونا چاہئے، خاص طور پہ بلدیاتی نظام کو فعال اور منظم کرنے کی ضرورت ہے اور اس نظام سے کپٹ اور کالی بھیڑوں کو نکالنے کی ضرورت ہے تاکہ بہتر لوگ آگے آئیں اور ایک منظم سینی ٹیشن، پینے کے صاف پانی، سالڈ ویسٹ میجمنٹ، ٹائون پلاننگ کے ذریعے ماحولیاتی آلودگی سے ملک کو پاک کرنے میں کردار ادا کریں اور اس کے علاوہ ہر فرد معاشرہ پہ انفرای سطح پہ بھی یہ اولین ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بھی ماحول کو صاف کرنے میں اپنا کردار ادا کرے مثلاً سگریٹ نوشی، سے اجتناب لگی دھوئیں میں کھلی جگہوں پہ کوڑا کرکٹ بھینکنے کی عادت کو ختم کرنا، اپنے گلی اور گھر کی سیوریج کے نظام کو بہتر بنانا، کھلی نالیوں کو بند کرنا اور حفظان صحت کے اصولوں پہ نہ صرف خود عمل کرنا بلکہ خاص طور پہ بچوں کی تربیت کرنا۔ اس حوالے سے خاص طور سکولوں اور کالجوں کی سطح پہ تربیت کا نصاب ترتیب دینا نیز پبلک کی آگاہی کے لئے مہمات اور اس سلسلے میں حکومتی اداروں کے شانہ بشانہ اپنا حصہ ڈالیں۔ یقیناً اجتماعی کوششوں سے ہی اپنے بچوں کے مستقبل کو محفوظ بنایا جا سکتا ہے۔

§§§

عالمی ادارہ صحت کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں بچوں کا مستقبل ان کی صحت کے حوالے سے انتہائی خطرے سے دوچار ہے، اس کی وجہ ماحولیاتی آلودگی بتائی گئی ہے۔ اس آلودگی کی وجہ سے ایک اعشاریہ سات ملین بچے ہر سال دنیا بھر میں موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ بچوں کی ہر چار اموات میں سے ایک یا اس سے زیادہ غیر حتمندانہ ماحول کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ہر سال ماحولیاتی خطرات جن کا تعلق اندرون یا بیرون سے ہوتا ہے جن میں فضائی آلودگی، دھوئیں کی وجہ سے آلودگی، مضر صحت پانی، غیر مناسب سیوریج کا نظام یا سیوریج کے نظام کی عدم دستیابی اور حفظان صحت کے نظام کی خرابی کی وجہ ہر سال سے ایک اعشاریہ سات ملین بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہے لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔

عالمی ادارہ صحت کی دو مزید نئی رپورٹیں بھی منظر عام پہ آئیں جن میں ایک رپورٹ: Inheriting a Sustainable World کے مطابق ایک ماہ سے پانچ سال کے بچوں کی موت کی وجہ ہیضہ، تلیہ یا اور نمونہ ہیں، جن کا تدارک ماحولیاتی خطرات کو کم کر کے کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ صاف پانی کا حصول، پکانے کے لئے صاف ایندھن کی دستیابی، عالمی ادارہ صحت کی ڈائریکٹر جنرل Dr Margaret Chan کا کہنا ہے، آلودہ ماحول خاص طور پہ بچوں کے لئے مہلک ثابت ہوتا ہے۔ ان کے بڑھتے ہوئے اعضاء، کمزور مدافعتی نظام اور ان کی چھوٹے جسم اور ہوا کے راستے انہیں گندے پانی آلودہ ہوا سے غیر محفوظ بناتے ہیں، ان خطرات کا آغاز ماں کے پیٹ سے شروع ہوتا ہے اور قبل از وقت پیدائش کے خطرات کو بڑھاتا ہے۔ مزید یہ کہ جب اندرون خانہ یا بیرون جب شیر خوار اور سکول جانے سے پہلے کی عمر کے بچے ہوائی آلودگی اور سگریٹ کے دھوئیں سے متاثر ہوتے ہیں تو ان میں نمونیہ کے خطرات بڑھ جاتے ہیں اس کے علاوہ ہوائی آلودگی میں رہنے کی وجہ سے دل کی بیماریوں، کینسر کا بھی خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پانچ بڑی وجوہات جن کا تعلق بچوں کی اموات سے ہے ان کا تعلق ماحولیات سے ہے۔

ایک اور رپورٹ: A companion report, Don't pollute my future! The impact of the environment on children's health نے جامع جائزہ پیش کیا ہے جس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

پولیتھین بگزر ، ایک خاموش قاتل

مصنف: حاجی بصیر سراج

کے شاپر بگیوں نے پاکستان میں ماحول کو آلودہ کیا ہوا ہے، گٹر بند ہو رہے ہیں، نالیاں شاہ بیک اور چپس کے بگیوں سے اٹی پڑی ہیں۔ کوڑے کیساتھ انہیں جلانے سے بناریاں پھیل رہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں درجن بھر فیکٹریاں ہیں جو کہ پلاسٹک بگزر بناتی ہیں جو کہ کروڑوں بیک روزانہ کی بنیاد پر بنا کر بیچ رہی ہیں۔



پلاسٹک ایک پولیمر ہے جو کہ ایک یا مختلف کیمیائی اجزاء سے مل کر تیار کیا جاتا ہے۔ پلاسٹک کی عموماً دو اقسام استعمال کی جاتی ہیں، جن میں سے ایک قدرتی ہے، جو درختوں اور جانوروں سے حاصل کیا جاتا ہے، جبکہ پلاسٹک کی دوسری قسم لیبارٹری یا فیکٹری میں تیار کی جاتی ہے۔ قدرتی پولیمر کی پہلی قسم کے دائرے میں نشاستہ یا اسٹارچ اور سیلولوس، جبکہ دوسری قسم میں پروٹین شامل ہے، جس میں لکڑی، ریشم، چمڑا وغیرہ آتے ہیں۔ قدرتی پولیمر کی تیسری وہ قسم ہے جس میں ڈی این اے اور آر این اے آتے ہیں، جو ہمارے نشوونما کے ضامن ہیں مصنوعی پولیمر دراصل لیبارٹریز میں تیار کیا جانے والا پلاسٹک ہے۔ اس کی عام اقسام میں پولی تھین، پولی اسٹیرین، سینتھٹک ربڑ، نائیلون، پی وی سی، بیکولائٹ، میلانٹن، ٹیٹلون اور آرلون وغیرہ شامل ہیں۔ پولی تھین دراصل ایک سیال مادہ ہے جسے آبائی کسی بھی شکل و صورت میں ڈھالا جاسکتا ہے اور کسی بھی رنگ میں رنگا جاسکتا ہے، جبکہ اسے نرمی اور ملائمت کی کسی بھی حد تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ اسی خصوصیت نے اسے انتہائی سستے پولی تھین لفافوں، بیک اور دیگر کارآمد اشیاء کی تیاری میں مقبول عام بنایا ہے۔ پولی تھین یا پلاسٹک کا استعمال اب ہماری روزمرہ زندگی کا ایک لازمی جزو بن چکا ہے اور یہ استعمال دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے۔ یوں تو پولی تھین کا استعمال ناگزیر بن چکا ہے، لیکن اسے استعمال کرنے کے بعد یونہی چھینک دینے کا سوال کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارے خطے میں لوگ تو پولی تھین سے بنے لفافے اور تھیلے استعمال کرنے کے عادی ہو چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمارے یہاں ان اشیاء کو استعمال کرنے کے بعد صحیح ڈھنگ سے ضائع کرنے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ ان

لفافوں اور تھیلوں کو بلا تردد گلی کوچوں، سڑکوں، نالیوں، دریاؤں اور باغیچوں، حتیٰ کہ اپنے گھروں کے صحن میں بھی بغیر سوچے سمجھے پھینک دیا جاتا ہے اور یہی لاپرواہی ہمارے ماحول کی آلودگی کا سب سے بڑا سبب بن چکی ہے۔ عام استعمال میں آنے والا پولی تھین اگرچہ ہمارا سستا دوست ہے لیکن ہماری ناسمجھی اور غفلت کی وجہ سے یہی سستا دوست ہمارا سب سے بڑا دشمن بنتا جا رہا ہے۔ ماحول کو متوازی رکھنے کے بارے میں ہماری بے حسی اور لاعلمی کے باعث پولی تھین کی استعمال شدہ اشیاء گلیوں، نالیوں، دریاؤں اور جھیلوں میں اپنا مسکن بنالیتی ہیں، جو پانی کی نکاسی کے نظام کو درہم برہم کرنے اور خطرناک صورتحال پیدا کرنے کا ذمہ دار بنتا ہے۔ ملک کے مختلف شہری علاقوں میں پولی تھین سے نالیوں اور سیوریج کا بند ہونا ایک وبا بن چکی ہے۔ گندے پانی کے نکاس بند ہونے کے نتیجے میں تمام قریبی علاقوں میں بدبو، گندگی اور مختلف بیماریوں کو دعوت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ برسات کے موسم کی ذرا سی بارش بھی ایک سیلاب کا رخ اختیار کر لیتی ہے۔ دوسری جانب ہمارے آبی ذخائر پولی تھین لفافوں کی آماجگاہ بن رہے ہیں جن سے آبی حیات کا بری طرح متاثر ہونا لازمی بات ہے۔ پاکستان کی متعدد جھیلوں اور دریاؤں میں پولی تھین سے بنائی گئی بے شمار اشیاء کو تیرتے، بہتے اور جمع ہوتے دیکھا جاسکتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان کے پرفضاء پہاڑی علاقوں میں بھی پولی تھین اپنے برے اثرات پھیلا چکا ہے اور وہاں کی صاف ستھری آب و ہوا اور ماحول کو بھی متاثر کرنے میں مصروف عمل ہے۔ پولی تھین کا استعمال ہماری بے احتیاطی کی وجہ سے جتنا عام ہوگا، اتنا ہی ہمارا ماحول بھی اس کے مضر اثرات سے متاثر ہوتا چلا جائے گا۔

پولی تھین چونکہ ایک نہ سڑنے والی شے ہے، اس لئے یہ زمین کی ساخت اور زیرِ زری کو بری طرح تھس نہیں کر دیتی ہے۔ آسان الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ پولی تھین زمین کی سانس کو بند کر کے اس کو خنجر کر دیتا ہے اور نباتات کو زمین سے جو غذا اور دوسرے اجزاء ملنے چاہئیں ان کی ترسیل میں رکاوٹ ثابت ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں نباتات کی افزائش رک جاتی ہے اور زمین کی پیداواری صلاحیت بھی کمزور پڑ جاتی ہے۔ اگر بغور مشاہدہ کیا جائے تو بارش کا پانی پولی تھین کی وجہ سے زمین کے اندر جذب نہیں ہوتا۔ اسی لئے ہمارے جنگلات بھی بری طرح سے متاثر ہوتے ہیں اور اکثر علاقوں کے جنگلات اور زرعی زمینیں پولی تھین کی وجہ سے اپنی ساخت اور صلاحیت کھو دیتی ہے، اور ہماری پیداوار کھنچ چلی جاتی ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ سڑکوں، گلی کوچوں، نالیوں اور کھلی جگہوں پر پھینکے گئے پولی تھین بگزر ہمارے موبٹی بھی کھالیتے ہیں جو ان کیلئے جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔ حال ہی میں ایک وٹرنری ہسپتال میں جب ایک بیمار گائے کا آپریشن کیا گیا تو اس کے پیٹ سے کئی کلو وزنی پولی تھین کے بگزر نکلے۔ اس کے علاوہ ایک تحقیقاتی

پاکستان میں پلاسٹک کے بنے ہوئے شاہ بگزر جنہیں پولی تھین بگزر کہا جاتا ہے۔ پولی تھین بگزر آنے سے قبل جب لوگ گھر کا سودا یا سامان لینے کے لئے بازار جاتے تھے تو اپنے ساتھ کپڑے کا تھیلہ یا کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ٹوکری لے کر گھر سے نکلتے تھے۔ کپڑے کے تھیلے مارکیٹ میں ملے سلائے بھی ملتے تھے اور خواتین گھروں میں خود بھی سی لیتی تھیں۔ مگر آج آپ بازار کو رخ کریں تو آپ یہ دیکھ کر حیران نہیں ہو گئے کہ ہر سودا سلف خریدنے والا ہاتھ پولی تھین بگزر سے بھرا ہوا دکھائی دے گا، ایک پاؤ کیلوں سے لے کر کپڑوں تک ہر چیز آپ کو پولی تھین بگزر میں ملے گی۔ چونکہ پلاسٹک جدید کیمیائی صنعت میں بہت ہی سستی اور عام شے ہے جو ہماری زندگی میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ پلاسٹک کو آج ہمارے یہاں اس قدر اہمیت حاصل ہو چکی ہے کہ اس کے بغیر اب روزمرہ زندگی ادھوری لگتی ہے۔ ہم روزانہ پلاسٹک سے بنائی گئی کوئی نہ کوئی چیز ضرور استعمال کرتے ہیں، جبکہ پلاسٹک کا سب سے زیادہ استعمال ہم پولی تھین لفافوں یا بگزر کی صورت میں کرتے ہیں۔ یہ بیک یا لفافے وزن میں انتہائی ہلکے اور سستے ہوتے ہیں اور ہم انہیں کسی بھی طرح سے استعمال کر سکتے ہیں۔ ان ہی فائدوں کو دیکھ کر ہم ان کا بکثرت استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کے مضر اثرات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان پلاسٹک بگزر کو استعمال کے بعد پھینک دیا جاتا ہے، لیکن یہ اپنی کیمیائی خصوصیات کے باعث مٹی، پانی یا ہوا میں گئے سڑنے کے بجائے ہمارے ماحول کیلئے مضر اور ضرر رساں بن جاتے ہیں۔ پاکستان میں ایک اندازے کے مطابق روزانہ 15 سے 29 کروڑ پلاسٹک بگزر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ 2004 میں کئے گئے سروے میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ 2015 میں پاکستان میں پلاسٹک بگزر کا سالانہ استعمال 122 ملین تک پہنچ جائے گا۔ اگر اس تعداد کو روزانہ کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے تو تقریباً پاکستان کی آبادی پر ایک پلاسٹک بیک فی کس روزانہ آتا ہے۔ 1965 میں سویڈن کی ایک کمپنی نے پولی تھین بگزر کو متعارف کرایا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دنیا میں عام ہو گیا اور پاکستان میں پلاسٹک کے شاپر بگزر 80 کی دہائی میں شروع ہوئے اور پھر پورے پاکستان میں مشہور ہو گئے۔ اب تو دودھ اور دہی تک پولی تھین کے لفافوں میں بیچا جاتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے کھجور کی ٹوکریوں کو ختم کر دیا اور پولی تھین کی آمد نے کاغذی لفافوں کی مارکیٹ ختم کر دی۔ اب پولی تھین

نیم نے ایک مردہ گائے کا آپریشن کر کے اس کے پیٹ سے 40 کلو گرام پلاسٹک بیگز نکالے۔ اس طرح نہ جانے کتنے ہی مویشی پلاسٹک اور پولی تھین کھا کر زندگی کی بازی ہار چکے ہوں گے۔ دوسری جانب پولی تھین بیگز میں استعمال کئے جانے والے رنگ بھی مضر صحت ہوتے ہیں، جن کے برے اثرات ہماری صحت کو متاثر کر سکتے ہیں۔ اگر ان لفافوں اور بیگز کو جلا یا جائے تو ان کا دھواں ہوا کو زہر آلودہ کر دیتا ہے۔ یہ دھواں ہماری آنکھوں، جلد اور نظام تنفس پر بری طرح سے اثر انداز ہوتا ہے اور یہی دھواں سردرد کا موجب بھی بنتا ہے جو کہ جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ پلاسٹک اور پولی تھین اپنے ضرر رساں، مضر صحت اور انتہائی نقصان دہ اثرات سے انسانی زندگی، حیوانات و نباتات، چرند پرند اور ہمارے پورے ماحول کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کرتا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں تو پلاسٹک کے تھیلوں کے استعمال پر پابندی لگائی جا چکی ہے اور کئی ممالک پابندی لگانے پر غور کر رہے ہیں۔ پلاسٹک کے تھیلے یا پولی تھین بیگ کو عالمی سطح پر ناقابل استعمال قرار دیا جا چکا ہے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے ہم کئی بیماریوں اور مسائل کا شکار ہو رہے ہیں لیکن اسکا متبادل ذریعہ دریافت نہ کرنے کی وجہ سے اب یہ ہمارے معاشرے کا لازمی جز بن چکا ہے۔ چین میں پلاسٹک بیگز کے لیے الگ سے پیسے دینے پڑتے ہیں جس کی وجہ سے پلاسٹک بیگز کے استعمال میں نمایاں کمی آئی ہے۔ سائنسدانوں کے مطابق یہ تھیلیاں گلنے کے لئے اگر مٹی میں دی ہو تو کم از کم ایک ہزار سال اور اگر پانی میں پڑے رہے تو تقریباً 4500 سال کا عرصہ درکار ہوگا۔ اپنی ان منفی خصوصیات کی وجہ سے پولی تھین بیگز پوری دنیا کے ماحول کی لئے سنگین خطرہ ثابت ہو رہے ہیں۔ وزن میں ہلکا ہونے کے باعث یہ بیگز ہوا کے ساتھ اڑتے رہتے ہیں اور نالیوں اور سیوریج سسٹم تک پہنچ کر اسے بند کر دیتے ہیں۔ ان بیگز سے ماحول کے نقصان کو بچانے کے لئے سمجھدار قوموں نے شاپنگ بیگز کے استعمال پر پابندی عائد کر دی ہے اور کئی ملکوں میں دکان داروں کو پابند کیا گیا ہے اس کا متبادل تلاش کر لیں۔ بنگلہ دیش میں 1988 اور 1998 میں آنے والا تباہ کن سیلاب کا ایک اہم سبب ان بیگز کو قرار دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ملک کا ڈریج سسٹم فیل ہو گیا اور سیلابی کیفیت پیدا ہو گئی۔

ماحول کو صاف ستھرا رکھنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ماحول کی آلودگی کے برے اور تباہ کن اثرات سے عوام کو باخبر نہ کیا جائے۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ اشیائے ضرورت لانے لیجانے کیلئے کپڑے، پٹ سن اور کاغذ کے تھیلوں اور لفافوں کے استعمال کو عام کیا جائے۔ ایسی اشیاء کی تیاری اور انہیں عوام میں مقبول بنانے کیلئے ہر سطح پر حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ حکومتی سطح پر پلاسٹک اور پولی تھین کے استعمال کے خلاف قوانین بنانے اور ان پر سختی سے عملدرآمد

کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس موذی اور ضرر رساں شے کے خلاف جہاں حکومت کو اپنے فرائض نبھانا ہوں گے، وہیں عوامی سطح پر بھی رضاکار تنظیموں کو بھی چاہئے کہ اپنے ارد گرد سے اس نقصان دہ عادت کو ختم کرانے میں اپنا بھرپور تعاون شامل کریں۔ پاکستان بھر میں قائم تقریباً 8 ہزار یونٹس میں سالانہ 55 ارب پولی تھین بیگ تیار کرتے ہیں۔ پنجاب حکومت پولی تھین کے شاپر بیگ بنانے والوں کے خلاف کریک ڈاؤن جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہماری حکومت اور ضلعی انتظامیہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ پلاسٹک کے شاپنگ بیگز ہی ہمارے سیوریج سسٹم کی ناکامی کے ذمہ دار ہیں۔ جس کی روک تھام کیلئے پنجاب حکومت صوبے بھر میں بلا امتیاز کارروائیاں کر رہی ہے محکمہ تحفظ ماحول پنجاب نے صوبے بھر میں عوام کو پولی تھین بیگز کے استعمال سے پیدا ہونے والے اثرات سے بچاؤ کے لیے جاری آپریشن کے دوران 1674 ایسے مقامات کے دورے کیے جہاں غیر قانونی پلاسٹک بیگز تیار ہو رہے تھے۔ خلاف ورزی کے مرتکب 317 یونٹس میں سے 257 یونٹس کے خلاف چالان کر کے مقدمات ماحولیاتی ٹریبونل کو برائے کارروائی بھیج دیئے گئے ہیں۔ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کی خصوصی ہدایت پر پنجاب کو آلودگی سے پاک صوبہ بنانے کیلئے تمام اضلاع میں بلا امتیاز کارروائیاں جاری ہیں۔ حکومت پنجاب پولی تھین بیگز آرڈیننس 2002 کے تحت پہلے ہی ایسے پلاسٹک بیگز کی تیاری پر مکمل پابندی عائد کر چکی ہے۔ محکمہ ماحول کی خصوصی ٹیموں نے پنجاب کے مختلف اضلاع میں باقاعدگی سے مہم جاری رکھی ہوئی ہے جس کے دورس نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔

پلاسٹک بیگز کی تیاری کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ پلاسٹک بیگ کی کمپنیوں پر پابندی عائد کر کے جو کہ پنجاب حکومت کر بھی رہی ہے اس سے جڑے لوگوں کے لئے متبادل ذریعہ معاش کا انتظام کیا جائے۔ دوکانوں کے لئے ضرورت کے مطابق حکومتی سرپرستی میں کپڑے کے تھیلے بنائے جائیں جبکہ سبزی فروٹ وغیرہ کی خریداری کے لئے نوکریوں کا استعمال عمل میں لایا جائے۔ پلاسٹک کے کم استعمال سے ماحول کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ماحولیاتی آلودگی، اسباب اور حل کے لیے عوامی سطح پر شعور و آگاہی کا انتظام کیا جائے۔ اس کے علاوہ ہر پلاسٹک بیگ کے استعمال پر ٹیکس لگایا جائے تاکہ پلاسٹک بیگز کے استعمال میں کمی لائی جاسکے۔



صوبائی وزیر تحفظ ماحول بیگم ذکیہ شاہنواز کا کہنا ہے کہ ہماری روزمرہ زندگی میں پلاسٹک بیگ اگرچہ سہولت پیدا کر رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بیگز انسانی صحت اور ماحول کے لئے انتہائی مضر ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء میں پلاسٹک بیگز کا بڑھتا ہوا استعمال کینسر سمیت دیگر موذی امراض کا باعث بن رہا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر حکومت پنجاب ماحول کو آلودگی سے پاک رکھنے اور اپنی آئندہ نسلوں کو محفوظ ماحول فراہم کرنے کے لئے پولی تھین بیگز کی مینوفیکچرنگ کی روک تھام کے لئے سفیدہ اقدامات اٹھا رہی ہے۔ پنجاب کے تمام اضلاع میں روزانہ کی بنیاد پر تمام فیلڈ دفاتر میں پولی تھین بیگ بنانے والوں کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جا رہی ہے۔ جو آرڈیننس کی خلاف ورزی کے مرتکب پائے گئے، ان کے خلاف عدالتی کارروائی کی جا رہی ہے۔ ماحول کو آلودگی سے پاک رکھنے کے لئے سوشل میڈیا کے ذریعے بھی پولی تھین بیگز کے نقصانات اور ان کی تلافی سے متعلق احتیاطی تدابیر کی ترسیل کے ذریعے اہم کردار ادا کیا جا رہا ہے۔ اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے ہمیں پلاسٹک بیگ کی بجائے کپڑے کے بیگ کے استعمال کے رجحان کو فروغ دینا ہے تاکہ ہم اپنے بچوں کو متوقع بیماریوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ اس ضمن میں این جی اوز کا کردار بھی قابل ذکر ہے۔

پرنسپل انوار مینٹل سائنسز ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر سعید احمد قیصرانی کا کہنا ہے کہ پولی تھین بیگ یا لفافے وزن میں انتہائی ہلکے اور سستے ہوتے ہیں اور ہم انہیں کسی بھی طرح سے استعمال کر سکتے ہیں۔ ان ہی فائدوں کو دیکھ کر ہم ان کا بکثرت استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کے مضر اثرات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان پلاسٹک بیگز کو استعمال کے بعد پیچیدہ دیا جاتا ہے، لیکن یہ اپنی کیسادی خصوصیات کے باعث مٹی، پانی یا ہوا میں گلنے سڑنے کے بجائے ہمارے ماحول کے لئے مضر اور ضرر رساں بن جاتے ہیں۔ ادارہ صحت مند ماحول کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور آلودگی میں کمی کے لئے تعلیم و تحقیق کے ذریعے اپنا بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔ ہمارا ماحول عدم توبہی کے باعث انتہائی آلودہ ہو چکا ہے، جبکہ بے ہنگم ترقی اور اس کے ان دیکھے مضمرات بھی ہمارے ماحول کی آلودگی میں برابر کے ذمہ دار ہیں۔ کیسادی اشیاء کا لاپرواہی سے استعمال اور اس کے نتیجے میں غلاطیات کا پھیلنا، ہمارے ماحول کو آلودہ کرنے کا بڑا سبب ہے۔ ہماری لاپرواہی کے نتیجے میں پانی، ہوا، زمین اور اس پر بسنے والے چرند و پرند حیوانات اور انسان، یہاں تک کہ ہمارے درخت اور پودے بھی آلودگی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہماری روزمرہ زندگی میں جتنی بھی غلاطیات اور گندگی دیکھنے میں آتی ہے اسے مضر صحت نہ بننے دینا ہی آج ہمارا سب سے اہم چیلنج ہے۔ جب تک ہم اپنے ارد گرد کے ماحول کو صحیح طور سے نہیں سمجھ پائیں گے، اسے آلودگیوں اور کثافتوں سے پاک و صاف نہیں رکھ پائیں گے۔ ہم

جاتا اور لوگوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ کپڑے اور کاغذ کے بیگز استعمال کریں اور ماحول کو صاف بنائیں۔

§§§

پندرہ مائیکرون سے کم وزن پلاسٹک بیگز تیار کئے جارہے تھے۔ یز حکومت کی طرف سے کالے رنگ کے شاپر بیگز اور ایسے پولی تھین بیگز جنکی موٹائی 15 مائیکرون سے کم ہے انکی تیاری، فروخت، استعمال اور درآمد ممنوع قرار دی ہے کالے شاپر بیگز میں مضر صحت رنگ دیگر پولی تھین شاپر بیگز کی نسبت 2 سے 3 گنا زیادہ ہوتا ہے ان میں کھانے پینے کی گرم اشیاء کا استعمال صحت کیلئے انتہائی خطرناک ہے 15 مائیکرون سے کم موٹائی کے پولی تھین بیگز پر پابندی کی وجہ ضائع شدہ پولی تھین بیگز کی ری سائیکلنگ کو فروغ دینا ہے کیونکہ 15 مائیکرون سے کم موٹائی کے ضائع شدہ پولی تھین بیگز میں ان کے اپنے وزن سے زیادہ گردوغبار ہوتا ہے اور اس طرح نہ صرف اسکی ری سائیکلنگ مہنگی ہے بلکہ مشکل ہے اور ری سائیکلنگ سے وابستہ کمپنیاں اور افراد اسے نہیں خریدتے جسکی وجہ سے یہ گلیاں، بازاروں اور سالڈویٹ میں جمع ہو کر آلودگی کا باعث بنتے ہیں پولی تھین ویٹ نے آلودگی کے ساتھ ساتھ شہروں کا جمالیاتی حسن بھی تباہ کرکھا ہے بلکہ سیوریج سسٹم کی تباہی اور آلودگی کا باعث بھی ہیں کھلے عام پڑے پولی تھین بیگز بارش وغیرہ کا پانی سٹور کر کے ڈینگ کی مچھر کی افزائش کا باعث بھی بنتے ہیں نیز یہ فصلوں کی جڑوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جن کی وجہ سے پیداوار میں کمی ہوتی ہے کئی ممالک میں ان کے استعمال پر پابندی عائد ہے مختلف ممالک میں ان کی وجہ سے سیوریج سسٹم کے مسائل انتہائی شدت اختیار کر گئے تھے جس کی وجہ سے وہاں پر ان کے استعمال پر پابندی عائد کی گئی وہاں عوام پٹ سن کے تحیلے استعمال کرتے ہیں۔ آلودگی سے پاک ماحول کی فراہمی کیلئے ضروری ہے کہ پولی تھین بیگز کے استعمال کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے، خصوصاً کالے پولی تھین بیگز کا استعمال تو فوری طور پر ترک کیا جائے۔ نیز ہم سب کی ذمہ داری ہے پلاسٹک کی بجائے کپڑے کے تحیلے استعمال کریں اگر اس پر کنٹرول نہ کیا گیا تو ماحول کو آلودہ ہونے اور فصلات کو تباہ ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ فصلات کے تباہ ہونے کا مطلب غذائی قلت کا سامنا یقینی ہے اسی طرح پولی تھین بیگز کی وجہ سے جہاں سیوریج سسٹم متاثر ہو رہا ہے وہیں ہمیں صاف پانی کی قلت بھی نظر آرہی ہے۔ اس کے حوالے سے محکمہ دو طرح سے اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے، اول، 2002 آرڈیننس کے مطابق جو فیکٹری 15 مائیکرون سے کم موٹائی کے پولی تھین بیگز تیار کرتی اس کے خلاف کریک ڈاؤن کیا جاتا ہے۔ ہمارے محکمے کی کارروائی کے نتیجہ میں اس وقت متعدد کیسز عدالت میں چل رہے ہیں اور قانون یہ ہے کہ کالے اور 15 مائیکرون سے کم موٹائی والے شاپنگ بیگز کی تیاری، فروخت، استعمال اور درآمد ممنوع اور قانوناً جرم ہے، اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو 50 ہزار روپے جرمانہ اور 3 ماہ قید یا دونوں سزائیں اکٹھی ہو سکتی ہیں اور دوسرا بینرز اور سوشل میڈیا کے ذریعے اس کے استعمال سے منع کیا

جس ماحول میں سانس لیتے ہیں، جب تک اسی ماحول کو ان تمام اشیاء اور آلاتوں سے پاک نہیں رکھیں گے جو کثافت پھیلانے کی ذمہ دار ہیں، تب تک ہمارا دم گھٹتا ہی جائے گا اور ہمارے لئے سانس لینا بھی دشوار بن جائے گا۔ آلودگی سے پاک ماحول کی فراہمی کے لئے ضروری ہے کہ پولی تھین بیگز کے استعمال کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے، خصوصاً کالے پولی تھین بیگز کا استعمال تو فوری طور پر ترک کیا جائے، جس سے نہ صرف سیوریج نظام بری طرح متاثر ہوتا ہے، بلکہ ہوا کے دوش پر اثری ہوئی تھیلیاں شہر کی خوبصورتی کو متاثر کرتی ہیں۔ ان پولی تھین بیگز کے استعمال کی بجائے کپڑے یا کاغذ کی تھیلیاں استعمال کرنے کا عوام میں شعور بیدار کیا جائے، اس سلسلے میں شہری اور غیر سرکاری تنظیمیں اپنی قومی ذمہ داری کے لئے کردار ادا کریں۔

جزل امراض ماہر ڈاکٹر جاوید اقبال کا کہنا ہے کہ پولی تھین بیگز مضر صحت ہونے کے باوجود اسکا استعمال عام ہے جو باعث تشویش ہے، اس کے برے اثرات ہماری صحت کو متاثر کر رہے ہیں۔ اگر پولی تھین بیگز کو جلایا جائے تو ان کا دھواں ہوا کو زہر آلودہ کر دیتا ہے۔ جس سے نہ صرف سانس کی بیماریاں پھیل رہی ہیں بلکہ اسکے دھوئیں سے لوگوں کو کینسر کا مرض بھی لاحق ہو رہا ہے جو ہماری آنکھوں، جلد اور نظام تنفس پر بری طرح سے اثر انداز ہوتا ہے اور یہی دھواں سردرد کا موجب بھی بنتا ہے جو کہ جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ کھانے پینے کی اشیاء کی ترسیل کے لیے پلاسٹک بیگز کی حوصلہ شکنی کرنے کی ضرورت ہے نیز پولی تھین کا بے دریغ استعمال خواتین میں بڑھتے ہوئے بریسٹ کینسر کی اہم وجہ ہے اس لیے اس کے استعمال کو ترک کرنا ہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

محکمہ تحفظ ماحولیات کے ڈپٹی ڈائریکٹر انجم ریاض کا کہنا ہے کہ شہریوں میں اشیائے خوردونوش کو پولی تھین تھیلیوں میں بیک کرنے کا رجحان بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے جو انسانی و حیوانی حیات کیلئے زہر قاتل ہے، سڑکوں، گلیوں، نالیوں اور کھلی جگہوں پر پھینکے گئے پولی تھین بیگز سے ماحولیات آلودگی میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے، یہ بیگز استعمال کے بعد بھینکنے کے باوجود اپنی کیمیائی خصوصیات اور اثر رکھنے کی وجہ سے مٹی، پانی یا ہوا میں گلنے سڑنے کی بجائے ہمارے ماحول کو بری طرح آلودہ کر رہے ہیں، شہر میں سیوریج نظام کی تباہی اور آئے دن نالیوں اور گٹر کے بند ہونے کا ایک بڑا سبب پولی تھین بیگ ہیں، یہ شاپنگ بیگ ہمارے ماحول پر خطرناک حد تک منفی اثرات مرتب کر رہے ہیں، حکومت کوشش کر رہی ہے کہ پولی تھین بیگز کے استعمال کی بجائے کپڑے یا کاغذ کی تھیلیاں استعمال کرنے کا شعور عوام میں بیدار کیا جائے، اس سلسلے میں محکمہ تحفظ ماحولیات اپنی ذمہ داری کیلئے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ حال ہی میں ہمارے محکمہ نے بند روڈ کے علاقہ میں کارروائی کی جہاں بیگز فیکٹری میں

آخری گولی

مصنف: حاجی بصیر سراج

وہ کل پانچ افراد تھے، تین مرد اور دو عورتیں۔ شام کے وقت ساحل سمندر کے ایک ویران گوشے میں، پتھروں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے دائیں طرف سمندر کی منہ زور لہریں ٹھانٹیں مار رہی تھیں اور بائیں طرف ایک اونچی پٹان سر اٹھائے کھڑی تھی، جو کسی پہاڑی کا باقی ماندہ حصہ تھی۔ چند قدم دور چار پانچ گاڑیاں کھڑی تھیں اس گروپ کے چیف کا نام تھا شفقت اگرچہ شفقت نام کی کوئی چیز اس کے چہرے پر دکھائی نہ دیتی تھی۔ وہ ایک ہٹا کٹا شخص تھا، چٹان کی طرح مضبوط اور پتھر کی طرح پتھریلا۔ چیف نے اچانک پہلو بدلا اور بولا :

"خواتین و حضرات آپ سب ملک کی خفیہ تنظیم کے ارکان ہیں۔ آپ کی مناسب کارکردگی کو مد نظر رکھ کر آپ کو ایک خفیہ مشن سونپا گیا۔ آپ میری ہدایات کے مطابق اپنا کام احسن طریقے سے سر انجام دیتے رہے مگر پھر ہم میں سے کسی نے ایک "کارنامہ" بھی سر انجام دے دیا، خفیہ سی ڈی کے چند منتخب حصے دشمن کے ہاتھوں فروخت کر دیے گئے۔"

چیف پھر اچانک خاموش ہو گیا وہ گرم نظروں سے ایک ایک کا چہرہ بڑھ رہا تھا، ہر ایک کو بری طرح گھور رہا تھا، بات ہی ایسی تھی، ملک سے غداری اور تنظیم سے بے وفائی۔ چیف نے سرد ہوا سے بچائو کے لیے عمدہ ادنیٰ منظر لے رکھا تھا۔ اس نے اپنا چرمی تھیلا کھول کر اس میں سے ایک سیاہ بڑا پستول نکالا۔ اس ماحول میں اس کی کرخت آواز پھر گونجی:

"غداری کی سزا موت ہوتی ہے، آپ سب جانتے ہیں کہ خفیہ ادارے غدار کو موت کے گھاٹ اتار کر دوسرے برے افراد کے لیے عبرت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ کیا کسی کو اس بات پر اعتراض تو نہیں کہ غدار کو مارا نہ جائے؟"

"نو چیف" چنڈلی جلی آوازوں نے سر جھکا دیا۔
"گلد تو گویا آپ سب اس تنظیم کے ایجنے کارکن ہیں۔" چیف نے اپنی جیب میں سے تین گولیاں نکال کر پستول کو کھولا اور اس کے چیمبر میں وہ گولیاں ڈال دیں۔ پھر پستول کی نال ہوا میں بلند کی اور ٹریگر دبا دید۔ چیف نے دو گولیاں فضا میں چلا کر ضائع کر دیں۔ اب آخری گولی باقی تھی۔

"غدار کی قسمت کا فیصلہ اب یہ آخری گولی کرے گی۔" چیف نے زبان کھولی تو سب کے چہروں پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ غدار کی نامزدگی کے بغیر ہر ایک شخص اپنے آپ کو مجرم اور غدار سمجھ رہا تھا کہ کہیں غداری کا اس پر کوئی الزام تو نہیں لگ گیا۔

چیف نے پستول دوبارہ کھول کر اس کا چیمبر گھما دیا

اور پھر اچانک پستول بند کر دیا۔ اس نے سب کو ترجیحی نگاہ سے دیکھ کر کہا۔ "معزز خواتین و حضرات آپ سب شریف، ایمان دار اور پارسا افراد ہیں۔ آپ ملک کی اس خفیہ تنظیم کے ساتھ بھی متعلق ہیں۔ میں کسی بھی فرد پر غداری کا الزام لگا کر اس پر کیچڑ اچھالنا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ یہ بات بہت بڑا "گناہ" ہے کہ کسی پر بہتان باندھا جائے، لہذا میں اس آخری گولی کا ہی فیصلہ تسلیم کروں گا دیکھئے، یہ گولی کیا فیصلہ کرتی ہے۔ میں اس عمل کا آغاز خود سے کرتا ہوں۔ میری آپ سب کے لیے دلی دعا ہے کہ آخری گولی صرف غدار کا ہی کام تمام کرے۔ مجھے اس طریقے پر بھروسہ ہے۔ میں چند سال قبل بھی آخری گولی کی مدد سے غدار کو سزا دے چکا ہوں بلکہ قسمت غدار کو خود ہی ڈھونڈ لیتی ہے۔"

چیف نے پستول کی نالی اپنی کپٹی پر رکھی، آنکھیں بند کیں اور پستول کی لمبی دبا دی

"ٹک۔"

اس نے آنکھیں کھول کر خدا کا شکر ادا کیا اور پستول شاہ صاحب کے حوالے کیا۔ شاہ صاحب نے گہرا سانس لیا اور پستول کی نالی اپنے سر پر رکھ کر پستول چلا دیا

"ٹک۔"

شاہ صاحب جی کر مراٹھے تھے۔ انہوں نے تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ پستول عبدالقیوم صاحب کے حوالے کر دیا۔ عبدالقیوم صاحب چار بچوں کے باپ تھے انہوں نے زیر لب خدا سے دعا کی۔ ساری دنیا ان کے سامنے پل بھر میں سمٹ آئی۔ وہ غدار تو نہیں تھے مگر اس آخری گولی کا بھلا کیا بھروسہ۔ انہوں نے خالق کائنات کو پکار کر پستول کی نالی اپنے ماتھے پر رکھی اور اس کی لمبی دبا دی۔

"ٹک۔"

وہ بچ گئے تھے۔ انہوں نے دل ہی دل میں شکرانے کے نفل ادا کرنے کا تہیہ کر لیا۔

پستول اب شمشہ کے ہاتھ میں تھا۔ شمشہ سخت گیر عورت دکھائی پڑتی تھی۔ عمر چالیس سال، تین بیٹوں کی ماں اور ایک بوڑھی بیمار ماں کی واحد خبر گیر۔ اس نے پستول تمام کر قدرے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا: "چیف میں غدار نہیں ہوں، آپ میرا ریکارڈ چیک کر لیں اور کوئی ثبوت مل جائے تو مجھے الٹا اڑکا کر میری چوڑی اتار دیں، پھر مجھے بھوکے کتوں کے آگے ڈال دیں۔"

"نہیں، آپ تو بہت اچھی ہیں۔" چیف نے طنز کیا۔

"تو پھر؟"

"پھر فیصلہ آخری گولی کا ہو گا، جو اس پستول کے چیمبر میں گھوم رہی ہے۔"

"چیف میرے تین چھوٹے چھوٹے بیٹے ہیں جو رات کے کھانے پر میرا انتظار کر رہے ہوں گے اور میری بوڑھی

ماں میرا حد درجہ شریف خاندان۔"

"اوہ آپ مجھے رلانے والی باتیں نہ کریں۔" چیف کی آواز بھی رندہ گئی۔ وہ اگرچہ اداکاری کر رہا تھا مگر کامیاب اداکاری کر رہا تھا۔

چیف کے بے لچک رویے اور بے لحاظ نظروں نے شمشہ کو بتا دیا کہ اس کا فیصلہ اٹل ہے۔ تب اس نے لرزتے ہاتھ سے پستول بلند لیا۔ پستول کی نالی اپنے سر پر رکھ لی اور کلمہ توحید کا ورد کرتے ہوئے لمبی دبا دی۔

آواز صرف "ٹک۔" کی ابھری

چیف نے اسے نئی زندگی کی مبارک باد دی، جو اس نے شکر یہ کے ساتھ قبول کی۔

پستول اب مس کرن کے پاس تھا۔ کرن تیس سالہ لڑکی تھی۔ اس کے چہرے پر حد درجہ معصومیت کا غلبہ تھا۔ چیف نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔ آخری گولی اس پستول میں جہاں کہیں بھی تھی، گھوم گھام کر پستول کے نالی کے عین سامنے یا بالکل قریب آچکی تھی۔ پستول چار بار چلایا جا چکا تھا اور اب خطرہ نوے فیصد سے بھی بڑھ چکا تھا، آریا پار والا معاملہ تھا۔

"گولی چلائیں مس کرن" چیف نے اسے حکم دیا۔

تب پستول کرن کی گود میں پڑا تھا۔ اس نے شش و پنج میں مبتلا ہو کر پستول تمام لیا۔ اس نے ذرا ٹھہر کر کہا: "اندھی گولی کا فیصلہ اندھا ہوگا، میں نے کیا کیا ہے چیف کہ مجھے بھری جوانی میں موت کی گھاٹی میں دھکیلا جا رہا ہے۔"

چیف نے سخت لہجہ اختیار کیا: "اس پستول میں چھ گولیوں کی جگہ ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ آخری گولی اب نالی کے سامنے پہنچ چکی ہو۔ معاملہ اگرچہ بہت خطرناک تھا مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے بعد میں پستول کو اپنی کپٹی پر رکھ کر چلائوں گا اگر ایسا وقت یا تو" چیف نے ان سب کو دیکھ کر کہا۔ "میں خود کو سب سے پہلے سزاوار سمجھتا ہوں، اس لیے اس عمل کا آغاز میں نے خود سے کیا تھا اور انجام بھی وقت پڑنے پر خود ہی پر کروں گا مس کرن بے دھڑک گولی چلائیں اگر یہ غدار وطن نہ ہوئیں تو ان کی زندگی خواب نہیں ہو گی۔"

خوف زدہ کرن خاموش بیٹھی رہی۔

"مس کرن گولی چلائیں، اپنے چیف کا حکم ٹالنا بھی جرم ہے۔" پھر کرن نے اچانک ہاتھ سیدھا کیا اور گولی چلا دی۔ فضا دھماکے سے گونج اٹھی تھی۔ چٹان پر بیٹھے ہوئے آبی پرندے اور سمندری بگڑے اڑ گئے تھے۔ چیف جھج کر پتھر پر سے نیچے گرا تھا اور اس نے اپنا سینہ اپنے دونوں ہاتھوں سے تمام رکھا تھا۔ وہ کراہتے ہوئے ریت پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ کرن ماہر نشانہ انداز تھی وہ کئی بار نشانہ اندازی کے مقابلوں میں انعام حاصل کر چکی تھی۔ اس نے اپنے فن کا مظاہرہ چیف کے عین دل پر کیا تھا۔ چیف کا حکم نہیں ٹالا تھا۔ گولی تو چلائی تھی مگر اپنے سر پر نہیں، چیف کے سینے پر کرن نے وہ پستول پھینک

کر اپنے لباس میں سے ایک مائوزر نکال کر باقی ماندہ افراد پر تان لیا تھا تاکہ کوئی اسے روک نہ سکے۔ وہ اگلے قدموں پیچھے ہٹ رہی تھی تاکہ چند قدم دور جا کر اپنی گاڑی میں سوار ہو سکے۔ اس نے گھوم کر اپنی گاڑی کی طرف دیکھا اور یہی لمحہ قیامت بن گیا اچانک اسے کسی نے فضا میں گیند کی طرح اچھال دید۔ وہ منہ کے بل زمین پر گری تو مائوزر بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کو شاید صاحب نے اپنے پھلنے میں قابو کر لیا۔ اس پر حیرت کا پہلا ٹوٹ پڑا کہ خاک میں غلطاً چیف پتھر پر پاؤں دھرے کھڑا تھا اور اس کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔ چیف کے ہاتھ میں ایک چھوٹا پستول تھا جو اس نے یقیناً اپنے اوئی مفلر میں سے نکالا تھا وہ آخری گولی سے بچ نکلا تھا۔

چیف نے کہا: "مجھے تجھ پر پہلے ہی یقین کی حد تک شک تھا۔ میری خفیہ اطلاع کے مطابق تو نے ہیروں والے زبورات خریدے ہیں اور دنیا کے ایک مہنگے شہر میں بنگلہ بھی۔ کرن بی بی وہ آخری گولی، پٹاخا گولی تھی۔ میں اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ غدار تلاش کرنے کے لیے اندھی گولی کی مدد لیتا۔ میں نے جب جیمبر کو گھمایا تو بند کرتے وقت میں نے پستول کا جیمبر اپنے ہاتھ کے انگوٹھے کی مدد سے یوں روکا تھا کہ پٹاخا گولی پانچویں خانے میں تھی۔ میں نے تم لوگوں پر نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا اور یوں غدار لڑکی پکڑی گئی۔"

کرن جب تم مائوزر تمام کر قدم قدم، اگلے پاؤں پیچھے ہٹ رہی تھی تو میری طرف تیرا دھیان نہیں تھا اور جب تم نے گاڑی کی طرف پلٹ کر مجھے ایک لمحہ دیا تو میں نے تجھے اٹھا کر فضا میں اچھال دیا، شاید تیرے علم میں نہ ہو کہ میں ایک ماہر نفسیات ہوں اور نہجا ماسٹر بھی۔"

شپ اہم ہیں۔ شہر کے قابل دید مقامات میں ایئر پورٹ، عجائب گھر، پنجاب یونیورسٹی، باغ جناح، شالامار باغ، مینار پاکستان، مال روڈ، انارکلی گلشن اقبال اور ریس کورس پارک شامل ہیں۔ مینار پاکستان کا ڈیزائن ترک ماہر تعمیرات نصر الدین مرآت خان نے تیار کیا۔ تعمیر کا کام میاں عبد القادر ایڈر کمپنی نے 23 مارچ 1960 میں شروع کیا۔ 21 اکتوبر 1968 میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اس پر کل لاگت 75 لاکھ روپے آئے۔



بادشاہی مسجد لاہور میں شاہی قلعے کے نزدیک واقع ہے۔ اس مسجد کو مغل بادشاہ شا جہاں نے بنوایا تھا۔ اس میں دو لاکھ کے قریب نمازی نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کے چاروں کونوں میں بہت اونچے مینار ہیں۔ مینار پر چڑھنے کے لیے باقاعدہ لکٹ لینا پڑتا ہے۔ اس مسجد کے درمیان میں بڑا حوض ہے۔

مسجد میں تین بڑے سنگ مرمر کے گنبد ہیں۔ ان پر مینا کاری اور گل کاری کی ہوئی ہے۔ جسے دیکھ کر مغلیہ راج کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کے لیے پچاس سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔ یہاں لوگوں کی بڑی تعداد جمعہ اور عیدین ادا کرتے ہیں جبکہ پانچوں نمازوں میں بھی بہت رش دیکھنے میں آتا ہے۔



لاہور ایک قدیم شہر

مصنف: حاجی بصیر سراج

تحریک پاکستان کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے۔ جتنی خود مسلمانوں کی۔ اس لیے کہ پاکستان دو قومی نظریے کی بنیاد پر حاصل کیا گیا۔ دو قومی نظریے کی بنیاد ہندوستان میں اس دن پڑ گئی تھی۔ جس دن ساحل مالا بار کی ریاست گدنگا نور کے حکمران راجہ سامری نے اسلام قبول کیا تھا۔ رفتہ رفتہ دین اسلام کی شواہیں پھیلتی گئیں۔ محمد بن قاسم نے 712 میں سندھ فتح کر کے اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اسلامی حکومت کے قیام سے انگریز حکومت تک مختلف مسلمان خاندانوں کی حکمرانی میں برصغیر میں اسلامی حکومت قائم رہی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے نااہل جانشینوں کے باعث برطانوی حکومت نے اسلامی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ہندوؤں نے گھٹے جوڑ کرتے ہوئے اسلامی دشمنی کے سبب وسیع پیمانے پر مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان کرانے کی بھرپور کوشش کی۔

1938 میں سندھ مسلم لیگ کی اکثریت کے ساتھ آزاد ملک کے حق میں باقاعدہ ایک قرارداد منظور کی اور 23 مارچ 1940 کو مسلم لیگ کے 27 ویں سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں ایک اسلامی مملکت کے قیام کا مطالبہ کر دیا۔



لاہور صوبہ پنجاب پاکستان کا دار الحکومت اور پاکستان کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ یہ پاکستان کا ثقافتی، تعلیمی اور تاریخی مرکز ہے۔ اسے پاکستان کا دل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شہر دریائے راوی کے کنارے واقع ہے۔ اس کی آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے۔ شاہی قلعہ، شالامار باغ، بادشاہی مسجد، مقبرہ جہانگیر اور مقبرہ نور جہاں مغل دور کی یادگار ہیں۔ لاہور کو پہلے عروس اہلند لاہور بھی کہتے تھے اور یہ علاقہ ملتان کی عظیم سلطنت کا حصہ ہوتا تھا۔

لاہور کی مغلیہ دور میں بھی اپنی ایک حیثیت رہی ہے۔ بابر پہلے سے ہی ہندوستان پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ دولت خان لودھی کی دعوت نے اس پر مہمیز کا کام کیا۔ لاہور کے قریب بابر اور ابراہیم لودھی کی افواج کا پہلا ٹکراؤ ہوا۔ جس میں بابر فتح یاب ہوا۔ لیکن جب اسے دولت خان کی سازش کی اطلاع ملی۔ جس پر وہ اپنا ارادہ ختم کر کے لاہور کی جانب بڑھا۔

اس شہر میں کئی بزرگوں اور صوفیائے کرام کے مزارات ہیں جن میں حضرت داتا گنج بخش، حضرت میاں میر بادشاہ حسین، حضرت شاہ ابوالعانی، حضرت موح دریا بخاری، حضرت گھوڑے شاہ، حضرت شاہ جمال حضرت شاہ محمد غوث اور حضرت میاں وڈھا شامل ہیں۔ لاہور کا موجودہ شہر کئی جدید بستیاں اور عمارات سے آراستہ ہے۔ ان میں ماڈل ٹاؤن، گلبرگ، ڈیفنس، سبزہ زار گرین ٹاؤن اور ٹاؤن

